

**میرا عشق**  
**دل لہ**  
 سوئے صبا، آئے جان سر میں یہاں پہ ہوں  
 تو آ کے میرے دل میں اتر میں یہاں پہ ہوں  
 کیوں بے گئی سے پھر رہا ہے تو گلی گلی  
 آئے آسمان کے چاند اتر میں یہاں پہ ہوں  
 انسان کی خود مختاری... اس کے عقل کل ہونے کا غرور بسا اوقات فریب  
 کے تانے بانے بنتے لگتا ہے... آرزو تانے بانے ریشم کے نہیں، مکرزی کا جال ہونے  
 ہیں... مگر اس بات کو سمجھنے تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہو...  
 "صراط عشق" ایسے ہی خود ساختہ، فریبی تانوں بانوں سے بندھی ایک  
 کہانی ہے... جو کہیں کہیں سے سچ بھی ہے اور کہیں پر زہیہ داستان کے لئے کورے  
 کاغذ پر رنگین لفظوں سے کشیدہ کاری کرنے کی جسارت بھی کی ہے...  
 یہ لہروں اور خوابوں کے ٹونے کی کہانی ہے...  
 محبت میں جینے اور محبت میں مرنے کی کہانی...  
 محبت کی اگلی حد... جب محبوب پاس نہیں مگر آنکھ اس کے خواب  
 دیکھنے لگتی ہو... وہ کہاں ہے کس حال میں ہے، جاننے لگتی ہو...  
 ممتا کی آفاقی محبت... دنیاوی محبوب کی فرقت کی کسک... کچھ ملنے  
 اور بہت کچھ کہنے کا المناک قصہ ہے... یہ داستان عشق...  
 اس پل صراط عشق پہ لایا ہے مجھ کو دل  
 اب بچونک چوہنک کر مجھے رکھنا ہے ہر قدم





ٹیکسی سے باہر دیکھتے ہوئے اسے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے یہ خواب کا منظر ہے۔ ابھی آکھ کھل جائے گی۔ اور ابھی وہ وہیں ہوگا۔

لندن میں۔۔۔۔۔

مختلہ شہر میں۔۔۔۔۔

جہاں موسم پر ہمیشہ بادل چھائے رہتے ہیں۔ جہاں ہر آنے جانے والا ایک جسم سے استقبال کرتا ہے۔

اور جسم ہی سے کی آف۔۔۔۔۔

اجنبی بھی دوست بھی۔۔۔۔۔

ایئر پورٹ پہنچ کر سب سے پہلے اس نے کئی بار گھبرون کرنا چاہا پھر رک گیا۔

اچانک اسے گرمی محسوس ہونے لگی۔ حالانکہ ایسی کوئی گرمی بھی نہیں تھی۔

”اسے کی نہیں چلتا کیا؟“ پہلی بار ارزش نے ٹیکسی ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

”چلتا ہے۔۔۔۔۔“ وہ مسکرایا اور اس نے بیک ویو مرر سے ارزش کو دیکھا۔۔۔۔۔ ”آپ لندن سے آئے

تھے ہیں؟“

”شکریہ۔۔۔۔۔“ اس نے اسے سی چلانے پر شکریہ ادا کیا۔ اور لندن سے آئے ہیں؟ والا سوال نظر انداز کر دیا۔

”کتنے سالوں بعد آئے ہیں؟“ ٹیکسی ڈرائیور نے پھر مسکرا کر پوچھا۔

”تجربیں کیسے ہمارے لندن سے آیا ہوں۔۔۔۔۔؟“ الٹا ارزش نے سوال کیا۔

”آپ کو دیکھ کر ہی لگتا ہے کہ آپ باہر سے آئے ہیں جیسے لندن، امریکہ امریکا والی کوئی فلائٹ اس وقت آئی

نہیں اس لیے پوچھا تھا کہ آپ لندن سے آئے ہیں۔۔۔۔۔“ اس نے پوری تفصیل سے بتایا۔

”بڑی معلومات ہیں تمہارے پاس۔۔۔۔۔“ ارزش قدرے متاثر ہوا۔

”آٹھ سال سے ٹیکسی چلا رہا ہوں۔۔۔۔۔ سب کچھ بتا کر کھنا پڑتا ہے صاحب کون سی فلائٹ باہر سے آئی ہے کون

کی دوسرے شہر سے۔۔۔۔۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔۔۔؟“ مختصر جملہ کہہ کر ارزش نے جان چھڑائی۔

”آپ نے بتایا نہیں کہ آپ۔۔۔۔۔؟“ اس نے پھر بیک ویو مرر سے جھانکا۔

”ہاں میں لندن سے آیا ہوں۔۔۔۔۔“ اس نے سرسری سا جواب دیا۔

”کیسا ملک ہے؟ میرا مطلب ہے کیسا لگتا ہے؟“

ابھی ارزش سوچ ہی رہا تھا کہ اسے مناسب سا جواب دے کہ ٹیکسی ڈرائیور بول پڑا۔

”سنائے بہت خوب صورت ہے۔۔۔۔۔“

”ہاں یہ تو ہے۔۔۔۔۔“

”اپنے ملک سے بھی زیادہ۔۔۔۔۔؟“

”تم سامنے دیکھ کر گاڑی نہیں چلا سکتے۔۔۔۔۔؟“ ارزش نے تنگ آ کر کہہ ہی دیا۔

ٹیکسی ڈرائیور بمشکل پانچ منٹ سکون سے بیٹھا۔

”لاہور ایئر پورٹ سے آپ کے گاؤں کا سفر پانچ گھنٹے کا ہے۔ پانچ گھنٹے خاموش رہا تو نیند آ جائے

گی سر۔۔۔۔۔“

”کسی مناسب جگہ پر روک کر چائے پی لیتا۔“ ارزش نے کنٹرول کیا اور نرم لہجے میں بولا۔

”جی شکریہ۔۔۔۔۔“ اتفاق سے جلد ہی وہ مناسب جگہ آ گئی۔

”میں پٹرول ڈلوالوں، آپ فریش ہو جائیں۔۔۔۔۔“

ٹیکسی ڈرائیور تھوڑا بڑھا لکھا اور گفتگو میں ماہر لگ رہا تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا سارا دن دلی دلی لوگوں سے

ملنا جلنا، بات چیت کا چلن سکھا ہی دیتا ہے۔

وہ کوئی بہت بہتر ساروس انٹیشن تھا کھانے پینے کی چیزیں بھی ٹھیک تھیں۔

ڈرائیور پٹرول ڈلو کر واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں دو ڈیوڈنیل کپ تھے جس میں ٹی بیک والی چائے تھی۔

ارزش انکار نہیں کر سکا۔

”آپ نے میرا نام نہیں پوچھا۔“ وہ مسکرایا۔ ”میرا نام عظیم ہے لیکن سوائے اپنی ماں کے میں کسی کو عظیم نہیں

لگتا۔“ وہ پھینکی سی ہنسی ہنس کر بولا۔

”کب سے ٹیکسی چلا رہے ہو؟“ ارزش بھی مسکرا دیا۔

”دس سال سے۔۔۔۔۔“ یعنی جب سے آئی ڈی کارڈ بنا اور لائسنس لیا تب سے۔۔۔۔۔

”اور کوئی کام کیوں نہیں کیا شاید تم عظیم بن ہی جاتے۔“ ارزش نے ازراہ مذاق کہا۔

عظیم کو قلعی ہرانیوں لگا۔

”صاحب جی وہ بی غریبی کے رونے باپ مر گیا، گھر کا بڑا بھائی تھا کیا کرتا وہ تو شکر ہوا میٹرک کر لیا تھا ورنہ

شاید وہ بھی نہ کر پاتا۔“

”ٹیکسی سے اچھے خاصے پیسے بن جاتے ہوں گے۔“

”بن جاتے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن گھر کا کرایہ، بل، بہن، بھائیوں کی شادی کے لیے، لیے قرضے کی قسط دے کر ایک

آہ بچتی ہے بس۔۔۔۔۔“ عظیم نے تفصیل سے مبینہ بھڑکے مسائل بتائے۔

”بہت شاعرانہ گفتگو کرتے ہو۔۔۔۔۔“ ارزش نے چائے کا آخری سپ لیا اور کپ ڈسٹ بن میں ڈال کر کہا۔

”مجھے تو صبح سے شاعری کا بھی وقت نہیں ملتا۔“ عظیم مسکرا دیا۔

”ہاں چلو۔۔۔۔۔“

دونوں پھر چل پڑے۔

جب سے یہ اوپر کریم آئی ہے، ہم ٹیکسی والوں کو کوئی پوچھنا نہیں ہے۔“

”تم بھی اوپر پر ٹیکسی چلا لو۔۔۔۔۔“

”وہ تو جی نوکری ہے۔۔۔۔۔ میں تو نوکری نہیں کر سکتا۔“ عظیم نے اطمینان سے کہا۔

”عادت بن چکی ہے۔۔۔۔۔ دس سالوں سے خود مختار زندگی جی رہا ہوں۔“

”شادی کی؟“ ارزش نے بے خیالی میں پوچھا۔

”نہیں، بڑی مصیبت ہے یہ شادی بھی۔۔۔۔۔“ عظیم نے ہنس کر کہا۔

ارزش سوچ میں ڈوب گیا۔

”مصیبت۔۔۔۔۔؟“ اسے مین یاد آ گئی۔ جیسے، جیسے وہ گھر کی طرف جا رہا تھا گھر کا نقشہ، گھر کے لوگ یاد آتے

جا رہے تھے۔ اتنے سالوں گھر کو دیکھا نہیں، جانے مین سے سب کچھ بیچ بھی ہو پارا ہو گا یا نہیں کہیں سفید حویلی

اجاڑی نہیں ہو گئی ہو۔







”ہاں ہے تو میں جانتی ہوں منہ کے حواسوں پر یہ تصویر رہے۔ وہ اپنے باپ کو آتے جاتے دیکھے اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا باپ کون ہے، کیا دیکھتا ہے۔“ نین کی اپنی ہی منطق تھی۔

”کیا منہ نہیں پوچھے گا کہ اس کا باپ ہے کہاں؟“

”اس کا سیدھا اور سچا جواب ہے میرے پاس..... خیر آپ بتائیں کیسے آئے ہیں آپ؟“

”میں..... یہ بتانے آیا تھا کہ منہ ڈیری فارم تیار ہے، اس ماہ سے کام شروع کر دیا جائے گا تو آپ ارزش صاحب کو بلائیں۔“

نین نے سر ہلایا۔

”کرتی ہوں فون.....“

نین جیسے گہری سوچ میں گم ہو گئی..... اسے ایک ہی دھڑکا تھا..... اگر وہ نہ آیا تو..... اس کی کیا عزت رہ جائے گی۔ دانیال کی نظر میں.....

”آرڈر آ رہے ہیں..... کسٹمر بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں۔“

”آپ آرڈر پر کام کرنا شروع کر دیں ایسا نہ ہو کہ جب ہمیں کسٹمر کی ضرورت ہو وہ نہ ہوں.....“ نین کو موقع مل گیا کہ چاہے ارزش نہ آئے تب بھی کام چلا رہے۔

”مسز احمد ہر چیز جتنی ہے۔ ہماری پروڈکٹ بھی نہیں رکے گی۔“

”یقیناً..... ہر شے جتنی ہے مگر ایسا ہوتا ہے ناں جب آپ کو ضرورت ہو تو آپ کی پروڈکٹ اچھے مول پر نہیں کتنی..... بس بک جاتی ہے۔“

دانیال نے شرمندہ سا ہو کر ہاں میں سر ہلایا۔

”جیسا آپ کہیں.....“

دانیال چلا گیا پھر بھی آدھا گھٹنا تو بیٹھا تھا کہ جس میں کسٹمر کی باتیں، ایسپلائز کھنے ہیں، ان کی ضرورت کی باتیں دو دیگر مسائل اور امور ڈکس ہوتے ہیں۔ صدف بھی کچھ دیر میں چلی گئی۔ بہت سوچ بچار کے بعد نین نے ارزش کا بلا ارادہ نمبر ملا دیا۔

ارزش، عظیم سے باتیں کرتے، کرتے تھک چکا تھا ابھی سرکویٹ کی پشت سے نکلا ہی تھا کہ اس کے موبائل پر تیل بجی۔ وہ بری طرح چونکا..... ایسے ہڑبڑایا جیسے چوری کرتے پکڑا گیا ہو۔ اسے لگا کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ کسی نے اس کی شکایت لگا دی ہو۔

بتا دیا ہو کہ وہ اپنے دیس میں آ چکا ہے۔

شاید نین فون بند ہی کر دیتی کہ ارزش نے کال ریسیو کر لی۔

”ہیلو.....“ ارزش نے کہا۔

”ہیلو.....“ نین نے گہری سانس لی۔ ”میں تو سمجھی کہ تم شاید ہی کال ریسیو کرو گے.....“

”خیریت سے فون کیا ہے؟“

”ہاں، خیریت سے.....“

”سب ٹھیک ہے.....؟“ ارزش نے سوال کیا۔

عظیم کا سارا ادھان ارزش کی طرف تھا۔ وہ سمجھتا چاہ رہا تھا کہ کس سے بات ہو رہی ہے۔ حالانکہ اسے سمجھنے کی ہرگز ضرورت نہیں تھی۔ لیکن انسانی جبلت..... اس کا فطری تقاضا.....

”سب سے کیا مراد.....؟“

”سب سے مراد سب.....!“

”جی..... سب اچھا ہے.....“ نین نے قدرے جھج کر کہنا شروع کیا۔ ”ایک بات کہوں.....؟“

”ہاں کہو.....“

”کیا آپ کچھ دنوں کے لیے پاکستان آ سکتے ہیں؟“

”کیوں؟“

”ضروری ہے.....“ نین نے ایسے کہا جیسے ارزش اس کا کچھ نہیں لگتا..... اجنبی ہو۔

”ضروری مگر.....؟“

ارزش کی بات درمیان میں رہ گئی فون بند ہو گیا۔ نین کی بات درمیان میں رہ گئی۔

ارزش کیسے جان سکتا تھا کہ بات درمیان میں کیوں رہ گئی۔ یہ تو نین ہی جانتی تھی۔ خضر اپنے بھولے سے پیارے لفظوں میں ماں، ماں کہتا ہوا کمرے میں آ رہا تھا۔

”نین بیٹا، اب آپ ارزش میاں کے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں..... انہیں بتائیں کہ اللہ نے انہیں چاند سا بیٹا دیا ہوا ہے، خیر سے تیسرے سال میں ہے وہ.....“

”نانو بیٹا تو ہے انہیں.....“ نین نے مسکرا کر کہا۔

”ایسے بلا تے ہیں بھلا.....؟ اسے حکم دو، محبت بھرا حکم..... عورت کا محبت بھرا لہجہ بڑے، بڑے سورا کو رام کر سکتا ہے۔ وہ تو پھر ہمارے ارزش میاں ہیں۔“

”آپ کے ارزش میاں بھی کسی سورما سے کم نہیں.....“

”اچھا ایک بات تو بتاؤ..... وہ آئے اور پوچھے یہ بچہ کون ہے..... اسے کیوں نہیں بتایا گیا تو.....؟“

نین نے حیران ہو کر نانو بیٹا کو دیکھا۔

”نانو بیٹا کیا ارزش مجھ پر شک کریں گے۔“

”مرد کا کچھ بھر و ما نہیں ہوتا بیٹا..... شک دل میں آ جائے تو چلتی ہوا سے بھی بیر باندھ لے گا دل میلانہ ہوا تو آنکھوں دیکھا بھی جھٹلا دے گا.....“

نین نے اس رخ پر پہلے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔

ارزش فون ہاتھ میں چڑے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر کے اسی طرح سیٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا عظیم کی آنکھیں اس پر ہیں اور کان بھی.....

”اس نے کیوں بلایا.....؟ آج سے پہلے تو اس نے نہیں کہا۔ کہیں ایسا تو نہیں اس کو میرے آنے کی خبر ہو گئی ہو۔ کون بتا سکتا ہے بھلا..... آمنہ؟ نہیں، نہیں..... اس کو تو ہوش ہی نہیں تھا کل تک زلیخا (جینی) اس کے پاس تو نین کا نمبر بھی نہیں ہے۔ اسما عیسیٰ.....؟ نو امپا سلی..... پھر کس نے بتایا.....“ ارزش سوچتے، سوچتے رکا۔

”میں کیوں سوچ رہا ہوں کہ اسے کس نے میرے آنے کا بتا دیا ہے..... یہ اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔“

ارزش نے سوچا۔

”ہاں..... یہ اتفاق ہی ہے۔“

ارزش نے سوچ لیا..... اور آنکھیں کھول کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ اندر ہی اندر بے تابی تھی۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ جب نین اسے دیکھے گی تو کیا ہوگا..... کیساری ایکٹ کرے گی۔



ارز نے اپنے سر ہنگ پر navigation کر اپنے گاؤں کا قافلہ دیکھا۔ گوگل نے پیشکش کی تھی۔

”اب دیا۔“  
”جس میں“ اصل ہر سیدھی جلی تو صرف پھر روٹ میں آ جاتی ہے۔“ اس نے اندازہ لگایا۔  
”تپ کے پھر والے تو آپ کا راستہ دیکھو ہے ہوں گے۔ جہاز سے اتر کر آپ کے گاؤں تک کا راستہ تو“

”ارز نے اس کے لئے بھی زیادہ ہے شاید۔“  
”ارز نے ستر ادا کیا۔“  
”سبز گز رہی جاتا ہے اور پوٹ سے گھر تک کا سفر مشکل ہے۔“ عظیم نے ہانک بھیج کہا تھا۔ ارز کو بھی ایسا  
”نہ لگ رہا تھا۔ گاؤں میں داخل ہوتے ہوئے ارز بہت چھوٹا سا بچہ بن گیا۔ وہ خود پرتا تو نہیں کر پا رہا تھا۔  
”ہاں نہیں میرے یہ اردوں کی قبریں کہاں ہوں گی۔؟“ قبرستان کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس

نے سچا۔  
”وہیں ایک پرانہ دکان دار اس کی کار کو دیکھ کر رکا۔ ساٹھ یا ستر سال کے بابے نے ہاتھ کا چھبنا کر گزرتی کار  
میں بیٹے ارز کو اپنی نظر کا رحو کا سمجھا پھر ساتھ بیٹھے علم دین سے کہے بغیر نہیں رہ سکا۔

”علم دین نے بھی دیکھا اور نظر بھر کے دیکھا۔ وہ فوراً دکان سے اتر اور لمبے، لمبے ڈمک بھرتا حویلی کی  
طرف چل پڑا۔

”علم دین بے شک جوانی میں دوڑ کے مقابلے میں اول آیا کرتا تھا لیکن گاڑی کی رفتار کا مقابلہ نہیں  
کر سکتا تھا۔

”جیسی بالآخر سفید حویلی کے سامنے آ کر تھی۔ ارز نے لے شدہ کرایے سے بھی زیادہ پیسے ادا کیے۔ عظیم نے  
ہاتھ ملا کر ایک ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر شکر گزاری سے سر جھکا دیا۔ گیٹ اسی آن بان سے کھڑا تھا تو یا گھر کے مینوں  
سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہو۔

”دروازہ کھلا اور پچھلی سی بج گئی۔ ہر شخص دم بخود تھا۔ سب کی آوازیں بند ہو گئیں۔ گنگ سے ارز احمد کو  
دیکھنے والے سمجھ رہے تھے کہ خواب ہے۔

”دور ابداری عبور کرتا ہوا گول کمرے میں پہنچا جب تک نین کو خبر مل چکی تھی لیکن وہ ابھی اس خبر سے سنبھلی بھی  
نہیں تھی کہ ارز سامنے آ گیا۔

”گول کمرہ گاؤں کی خواتین سے تقریباً بھرا ہوا تھا۔ سامنے اس کی اتنی بڑی تصویر تھی کہ ارز کو ایک لمحے کے  
لیے ایسا لگا جیسے وہ آئینہ دیکھ رہا ہے۔

”حیرت زدہ و خضر، بانو بی کی کمزور گرفت سے نکل کر پہلے تو تصویر اور پھر ارز کو دیکھتا ہا پھر بولا۔“ بابا۔۔۔۔۔“  
نین پر خندوٹی طاری تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ سامنے کھڑا ارز اس کا وہم تھا یا  
خواب۔ حقیقت تھی۔ کیا تھی۔

”ارز کو دیکھ کر ساری خواتین سر پر دو ہٹا جائے ایک، ایک کر کے اٹھ کر کمرے سے جانے لگیں لیکن پلٹ کر  
ایک بار ضرور دیکھتیں۔

”ارز پہلے سے بھی زیادہ افسانہ اور دلکش لگ رہا تھا۔  
”نین تارہ۔۔۔۔۔“

”ارز نے شیم بے ہوش نین کو آواز دی۔

نین اب ہری کی چہرے پر ہوش ہو چکی تھی۔

”ابا۔۔۔۔۔“ نین نے نین کو بلا کر شروع کر دیا۔

”ارز نے بیان دیا۔ ہاتھ اس کے نوہر پر پڑے۔ لگا کہ وہ کیوں ہانک رہی۔  
جنگ کی آگ کی طرح ارز کے آنے کی خبر پھیل چکی تھی۔ ہر شخص یہ بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ سب سے

پہلے ارز کو اس نے دیکھا تھا۔

”ادھر ارز پانی کو چلو میں بحر کے نین کے صحنہ چہرے پر چھبیں اور ہاتھ۔

”آپ کو بتانا چاہیے تھا ارز بیٹا۔ ہماری بیٹا کا دل تو جیسا ہے۔“ چھوٹا سا۔“  
”غلطی ہو گئی۔۔۔۔۔“

”سمان بابا بھی آگئے تھے۔ نین کی بے ہوشی کی وجہ سے وہ سمان بابا سے بھی اچھی طرح متعارف نہ بنا۔

”خضر متو اتر روئے جا رہا تھا۔

”کیس کا بچہ ہے بانو بی۔؟“ وہ اپنی شاہت اس میں پاتے ہوئے حیرانی سے جتنی کے عالم میں تھا۔

”بانو بی کے جواب سے پہلے نین کی لبوں میں حرکت ہوئی۔ اس نے ہنسنے کی کوشش کی اور پھر بند کر لیں۔

”بانو بی۔۔۔۔۔“

”ہاں صند تے۔۔۔۔۔ بانو قربان۔۔۔۔۔“ بانو بی نے نین کا چہرہ صاف کیا۔

”آپ نکھیں کھولو میری بیٹی۔۔۔۔۔“

”میں آنکھیں کھولوں گی تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔۔۔۔۔ وہ اب بھی میری بند آنکھوں کے سامنے ہیں۔ بانو بی

ایسا لگا کہ ارز آگئے ہیں۔“

”ارز نے حیران ہو کر نین کو دیکھا۔ بلاشبہ اس کی خوب صورتی میں فرق نہیں پڑا تھا بلکہ وہ تو اور بھی مدبرہ  
بادشاہ ہو گئی تھی۔

”سفید چادر میں لپٹی نین بہت مقدس لگ رہی تھی۔

”ارز نے اپنے آگئے ہیں نین بیٹا۔۔۔۔۔ وہ نہیں ہیں۔“

نین نے آنکھیں کھول دیں اس کے عین سامنے اس کا محبوب۔۔۔۔۔ اس کا مجازی خدا کھڑا تھا۔ جس پر اس کے

تمام شرعی اختیارات تھے۔ مگر دنیا داری کا ایک اختیار نہ تھا۔

”نین۔۔۔۔۔“ ارز نے پھر آواز دی۔ نین کی سانس رک گئی۔ دل اس زور سے دھڑکا کہ اس کی آوازیں نین  
تو نین ارز کو بھی آنے لگی۔

”یہ میں ہی ہوں ارز احمد۔“

نین بھی تو ایک کمزور لڑکی۔۔۔۔۔ ایک عرصے سے تنہائی پھیل رہی تھی۔ ارز کو سامنے دیکھا تو خود پر اختصار نہ

رہا۔ بے اختیار رو دی۔ بانو بی نے اسے رونے دیا۔ سمان بابا، خضر کو لے کر جا چکے تھے۔ بانو بی کمرے سے نکل  
گئیں۔ حویلی کے باقی ملازمین دروازے سے جھانک کر دیکھ رہے تھے۔

”ارز نے نین کو آہستگی سے قریب کیا اور اس کا سر اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ خود اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”جنہیں بہت روکنے کی کوشش کی کہ آنکھ سے باہر نہ آ جائیں۔

”بہت دیر کر دی۔۔۔۔۔ سب ہی چلے گئے۔“

”ارز نے دانتوں پر دانت جمائے ہوئے تھے وہ ضبط کھونا نہیں چاہتا تھا۔



[illegible]

”جب آپ کو پتا چلا کہ باوجہی اور بے جی نہیں رہے۔ ماما اور بابا نہیں رہنے تو آپ کو اتنا چاہیے تھا..... آپ نے ایک بار بھی میرے بارے میں نہیں سوچا..... ایک بار بھی.....“ وہ روتے، روتے... بولے جا رہی تھی۔

”نین یہ بچہ کون ہے؟“ ایک سوال اسے الجھا رہا تھا۔ اگلے، اگلے اس نے پوچھا۔

وہ جس بچے نے اسے دیکھتے ہی بابا کہا، نین کو ماں کا ہوا ہر قسم کا حیران آنکھیں ارش کو الجھا رہی تھیں۔

نہن نے جس سکون سے کہا ارزش من کراتا ہی بے چین ہو گیا۔

”تم کہنا چاہتی ہو..... یہ میرا بیٹا ہے؟“

”ہاں..... ہمارا.....“

”اور تم نے مجھے بتایا ہی نہیں کیوں؟“ ارزش نے مرد سے لہجہ میں کہا۔

”اس بات کو ہضم کرنا آسان نہیں.....“ ارزش نے سخت سے لہجہ میں کہا۔ اسی وقت کمرے میں خطر چھوٹے، چھوٹے قدموں سے بھاگتا ہوا آیا۔

“ماں، ماما آگئے۔“

ارزش نے اپنی بڑی سی دیوار گیر تصویر کو دیکھا اور پھر خضر کو۔

میں باؤجی کے کمرے میں جا رہا ہوں.....“ وہ اٹھا۔

”سبحان ماما میرا بیگ کمرے میں لے آئیں۔“

ماہنامہ پاکیزہ گولڈن جوبلی نمبر ﴿ 112 ﴾ جولائی 2022ء

ہیں اور ان کا یہ خیال ہے کہ ان کے ساتھیوں میں آج عداوت اور فتنہ کو فروغ دینا اور دیگر مسائل سے۔  
بامعربان پر پہنچا رکھا ہے۔ ان کے ساتھیوں میں آج عداوت اور فتنہ کو فروغ دینا اور دیگر مسائل سے۔  
پاکیزہ نے خواجہ خاتم کو وہ کچھ بڑھے کودیا ہے جو وہ چاہتی ہیں، ذرا سی ترسیم کے ساتھ۔ لیکن آخری کی لغت کی جگہ پر کی لغت کے  
جو ہمارے دل میں رہتی ہے پاکیزہ کو خبر یوں کی صورت..... عذر دار رسول کی شکل میں معراج رسول کو زندگی کا ایسا ہم سفر تھا جو حق میں  
ان کے معراج اور شخصیت سے مثل کہاں تھیں..... عذر دار رسول کے ہم قدم ہونے سے جاووسی جلی کشنر نے کامیابی کے اور مرحلے کے لیے  
خاص طور پر پاکیزہ کے معیار کو جن بلند یوں پر پہنچایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ پاکیزہ نے ہمیشہ ہر مرحلے پر لکھنا یوں کی حوصلہ افزائی کی خود  
میری آپ بھی شہزادی کے عنوان سے مسلسل تین سال تک پاکیزہ کی زینت بنی۔ جب، جب میں اور میرے شوہر قمر علی عباسی امریکا سے بھی  
پاکستان آتے عذر دار رسول ہمارے ساتھ ایک مجسم پور دست کا اہتمام کرتیں۔ اپنی رائٹرز کو بلائے قمر علی عباسی کی دلچسپ باتوں سے بھی  
استفادہ کرتیں۔ محفوظ دوئیس، سوال جواب ہوتے اور پھر ہر تکلف ظہرانے کا اہتمام ہوتا، عذر دار رسول نے عباسی صاحب کے انتقال کے  
بعد بھی یہ سلسلہ جاری رکھا، میں جب بھی کراچی جاتی ہوں وہ سن بیٹ ٹلب میں رائٹرز کو مدعو کر کے خوب صورت پروگرام ترتیب دیتی ہیں  
اور حتیٰ تحائف اور خوب صورت گلہ سے دیتی ہیں، ان کی رائٹرز بھی اپنی پیش قیمت محبت سے نوازی ہیں۔ یہ حسن انتظام، جاودہ گری عذر دا  
رسول کا نقطہ، میں اتھا اور معراج رسول کی رفاقت نے اسے دو چند کر دیا۔

رسول کی فطرت میں تھا اور معراج رسول کی رفاقت نے اسے دو پتھر دروید۔  
 اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ معراج رسول نے جو علم و ادب کا پورا دنیا کا پورا درخت بین گیا عذر رسول اور ان کا اشفاق اس  
 کی اسی طرح آبیاری کرے اور پاکیزہ ہمیشہ پھلے، پھولے گولدن کے بعد بلا تعلیم جو ملی مٹے، ان شاء اللہ.....!

نہیں نے خاموش رہنا ہی مناسب جانا۔

ہو، ہوتا جس کا ذکر تھا۔ دیکھا تم نے ارزش کو اس نے خضر کو دیکھنا بھی پسند نہیں کیا۔ میں اسی لیے کہتی تھی

اس کو بتا دو..... مگر تم اور تمہاری اپنی منطق..... اب کیا ہوگا.....؟“

اس کو بتا دو..... مریم اور مہاراجی اپنی..... باب کیا ہوگا.....  
 ”خضر، ارزش کا خون ہے..... یہ کیسے ممکن ہے وہ اپنے بیٹے کو اپنا کس نہیں.....“ نین نے بے یقینی سے کہا۔

”بیابانِ امت ماننا..... یہ سوچو جو شخص اپنے والدین کی میت پر نہیں آیا، اپنے باپ جیسے ماموں کی موت کی خبر

نہیں کر کے کہنا کہ مجھ سے ہو گا۔“ ہانولی نے ساری تلخی ایک بار ہی میں اٹھیل دی۔

”بانو بی، میں نے سنا ہے اپنی اولاد کے لیے دل اور ہوتے ہیں اور ماں، باپ کے لیے دل اور.....“ نین

”خیر آج اس وقت تو میرا دل نہیں مانتا۔“

”خیر آب حائض..... سالوں بعد ارزش میاں آئے ہیں اپنے گھر.....“

”جی، آپ خضر کو دیکھیں گے۔“

نہیں۔ شخص خفیہ زنا کرتا تھا، جس کو نرمی سے عین نے خود سے الگ کیا اور چلی گئی۔

ارزش کمرے میں تھا۔ ایک، ایک شے کو ہاتھ لگا کر محسوس کرنا چاہ رہا تھا۔ نین نے باؤ جی اور بے جی کے

کمرے کی تمام چیزوں کو اسی طرح رہنے دیا تھا۔ ارزش کرے میں آیا تو اسے یہی احساس ہوا کہ ابھی بے جی وضو کر



کے اپنا آسمانی دوچار اوڑھ کر سامنے آ جائیں گی۔  
 بانو جی آ جائیں گے اور اس سے نگاہ چرا کر جیسا کہ وہ ہمیشہ کرتے تھے کبھی اسے نظر بھر کر دیکھ کر بات نہیں کرتے تھے آ جائیں گے اور کھیں گے۔  
 ”تم نے جانی ہی تھا تو بتا کے جاتے کہ اتنے سال رہو گے، کم سے کم تمہاری ماں کو دلاسا تو رہتا۔“  
 ارزش نے آنکھیں صاف کیں۔

اسے دل کے اندر بہت دور تک ویرانی محسوس ہو رہی تھی۔ بہت خالی پن۔۔۔۔۔  
 کوئی اپنا نہیں تھا چیزوں کو اسی طرح سجا رکھنے سے اپنے لوٹ کر تو نہیں آ جاتے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دل دیکھ سے اور بھی زیادہ بھر جاتا ہے۔ اور تو اور اسے تو نین بھی اجنبی لگ رہی تھی۔ اور یہ بچہ۔۔۔۔۔ ارزش کے چاروں طرف دھماکے ہو رہے تھے۔

”یہ میرا نہیں ہے؟“  
 ”اگر ہوتا تو مجھے کبھی تو نین نے بتایا ہوتا۔“

آہٹ پر ارزش نے دیکھا۔  
 نین دروازے پر کھڑی تھی۔ دونوں کے درمیان کئی سال۔۔۔۔۔ دیوار بن کر کھڑے تھے۔ نین کو اندازہ نہیں تھا اس کا محبوب۔ اس کا شوہر اس طرح اجنبی ہو جائے گا۔  
 ”میں قبرستان جانا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ سجان بابا کو لے کر جا رہا ہوں۔۔۔۔۔“ ارزش نے اسی اجنبیت سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

نین بت چکی کھڑی رہ گئی۔  
 بانو بی باہر سے دیکھ رہی تھیں۔۔۔۔۔ افسردہ ہو گئیں۔  
 ”میں آپ سے کبھی کبھی ناں ارزش میاں کو بتا دیجیے۔۔۔۔۔ آپ نے ہمیشہ منع کیا۔ معلوم نہیں آپ کیا سوچتی تھیں۔“

”کیا ارزش کو مجھ پر اعتبار نہیں۔۔۔۔۔؟ کیا وہ مجھے بدکردار سمجھتا ہے؟“ نین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔  
 ”اسی بات نہیں ہے بیٹا۔۔۔۔۔ ارزش کی جگہ کوئی بھی مرد ہوتا اسے یقین کرنے میں کچھ وقت لگتا۔“  
 بانو بی نے نکل سے سمجھایا لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتی۔۔۔۔۔ جو ڈوبے جا رہا تھا۔ ایک انجانا سا خوف اسے کھائے جا رہا تھا۔

”اگر ارزش نے خنجر کو اپنا بیٹا ماننے سے انکار کر دیا تو کیا ہوگا؟“

☆☆☆

سجان اور ارزش احمد خاموشی سے نکل رہے تھے۔ گھر سے قبرستان کا بہت فاصلہ نہیں تھا سجان نے تو جیب نکالنے کو کہا تھا۔ وہ بی جیب جو ارزش کے استعمال میں ہمیشہ رہی تھی۔ لیکن اسے چلنے کی عادت ہو چکی تھی۔۔۔۔۔ سو تھوڑا بہت فاصلہ اس کے لیے بے معنی تھا۔

ارزش نے چاروں طرف دیکھا۔ دوری سے سفید گنبد نظر آ رہا تھا جس پر مختلف آیات لکھی ہوئی تھیں۔ وہ ہی اس کے پیاروں کی آخری آرام گاہ تھی۔

ارزش سفید گنبد والے حجرے میں داخل ہوا۔ اتنی ٹھنڈک اور سکون کا احساس ہوا کہ ساری کلفتیں بھول گیا۔  
 بہت دیر تک وہ بیٹھا رہا۔ سجان بابا حجرے سے باہر کھڑے تھے۔ بالکل ایسے جیسے وہ بانو جی کی زندگی میں کبھی

#### صداقت عشق

کمرے میں نہیں جاتے تھے بالکل صاف کمرے میں ارزش میاں ایسے ہی ہوں۔ ایک طرف بے بی اور بانو جی دوسری طرف امی اور ولایت ماموں کی قبریں تھیں۔ بہت صاف خراما محل اگرچہ اور گلاب کے پھولوں کی خوشبو لٹکا کو معطر کر رہی تھی۔ سر ہانے اونچے سے دو خانے بنے ہوئے تھے جس پر شیخ سورہ و قرآن پاک اور شیشیاں رکھی ہوئی تھیں۔

”سجان بابا۔۔۔۔۔“

بہت دیر انگ شوی کے بعد آنکھیں اور چہرہ صاف کیا اور سجان بابا کو آواز دی۔

”جی سرکار۔۔۔۔۔“ سجان بابا ہمیشہ کی طرح بول کے جن کی طرح آ گئے۔

”یہ سب کس نے بنایا میرا مطلب ہے آپ نے بنوایا؟“

”نہیں سرکار، نین بیٹا نے بنوایا ہے۔“ ارزش نے خاموشی سے اطراف پر نظر ڈالی۔

”اچھا کیا۔۔۔۔۔“

”بڑا مشکل وقت تھا وہ۔۔۔۔۔ ادھر بزرگوں کی معین رکھی ہوئی تھیں، سہارا دینے والا کوئی نہیں اور خطر میاں آنے والے تھے۔ بیٹا کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ اسپتال رہیں۔۔۔۔۔“

”ایسا تھا تو۔۔۔۔۔ مجھے کسی نے خبر کیوں نہیں دی۔“

”سچ تو یہ ہے کہ آپ کا نمبر ہم میں سے کسی کے پاس نہیں تھا۔ صرف بیٹا کے پاس تھا اور ان کی حالت ایسی تھی ہی نہیں کہ۔۔۔۔۔“

”کتنے سال ہو گئے اس بات کو۔۔۔۔۔؟“ ارزش نے خنکے سے لہجے میں پوچھا۔

”جی۔۔۔۔۔؟“ سجان بابا ہکا بکھا گئے۔

”تین سال۔۔۔۔۔“

”سجان بابا تین سال کم نہیں ہوتے۔“

ارزش کہتے، کہتے اٹھا اور الوداعی سلام کر کے حجرے سے باہر نکل آیا۔ راستے میں جو بھی اسے مل رہا تھا ہاتھ چوم رہا تھا، یہی بات تو اسے ناگوار گزرتی تھی۔ لیکن مجبوری تھی۔ ہر شخص رک کر بے بی اور بانو جی کا انوس کرنے کے بعد نین کی تعریف میں چند ایک جملے ضرور بولتا۔

”شکر ہوا آپ آ گئے۔۔۔۔۔ بی بی نے کہا تھا ڈیرنی فارم کا افتتاح آپ اپنے ہاتھوں سے کریں گے۔“ وہ کوئی

دکھتا تھا۔ ”اور اسکول بنائے تو انہوں نے ہم سب کے دل ہی جیت لیے ہیں۔“

پھر امام دین کے بیٹے پرویز امام نے دیکھا تو دور سے بھاگا آیا۔

”میں پرویز امام۔۔۔۔۔ امام دین کا بیٹا۔۔۔۔۔ ڈیری فارم میں میم نے بہت اچھی سیٹ آفر کی ہے مجھے۔“

”مگنڈ۔۔۔۔۔“ ارزش نے ہنسنے لگا۔

”ڈیری فارم۔۔۔۔۔“

”بیچہ۔۔۔۔۔“

”اسکول۔۔۔۔۔“

تمام لفظ شناساتے مگر ان کے احساس میں اپنائیت نہیں تھی۔ اسے کچھ بھی تو نہیں پتا تھا۔ ان تین سالوں میں اتنا کچھ ہو گیا۔

”ہو تو گیا ہے۔۔۔۔۔“ ارزش نے سوچا۔۔۔۔۔ خود اس کی زندگی میں کتنی تبدیلیاں آئی تھیں۔



ابھی وہ سو رہا تھا کہ زینہ کی کال آگئی۔  
 "کیسے ہو؟"  
 "جوان بھائی، ابھی اس پر انگلیش بھی وہ جو انڈس کی زبان سے پھولوں کی طرح  
 لگ رہی تھی۔"

مگر یہی گناہ ہے جو اپنے جتنی کی اصلاح نہیں دیتی۔  
 "تم نے اپنے جتنی کو گناہوں کا ملکہ بنایا۔"  
 "میرا نامہ کرو چیز۔ تم جانتے ہو میں تمہارے بغیر کچھ نہیں۔ ایک تو تم اچانک پاکستان چلے گئے۔ میرا  
 سوچے بغیر۔"

”تمہارا گھر جا کر بات کرتا ہوں۔“  
 ارشد نے چٹنی نظروں سے ابھر اُدھر دیکھا۔ ”ابھرا ہر کوئی دیکھ نہیں رہا تھا۔ لیکن سب کے کان اُدھر ہی لگے ہوئے تھے۔ جسے ارشد بخوبی محسوس کر رہا تھا۔ فون بند ہوا تو ارشد اور سبحان بابا گھر کی طرف چل پڑے۔ یہ اور بات تھی کہ یوں منٹ کا راستہ آدھے گھنٹے میں طے ہوا۔ لوگوں سے ملنے ملانے، باتیں کرتے ہوئے۔“

صدف کو خبر ہوئی تو بھاگی چلی آئی۔ ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبا تھا۔

خبر تو داناں تک بھی پہنچ چکی تھی۔ مگر اس نے فون کرنے اور گھر جانے سے گریز کو ہی بہتر سمجھا۔

”خضر کو دیکھ کر اداش تو بہت خوش ہوا ہو گا۔۔۔۔۔؟“

”میں نے جس طرح کہا صدف کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔“

”تم صحیح ہو گئیں مجھے ارشاد کو بتا دیا چاہیے تھا۔ بانو بی بی کہتی تھیں۔ مگر میں ہی نادان تھی۔ یہ قوف..... سچی کہ حضرت ہمارا بیٹا ہے، مجھے یہ ثابت کرنے کے لیے سہاروں کی کیا ضرورت ہے..... لیکن، لیکن نہیں..... تم کبھی ٹھیکر تھیں اور بانو بی بی.....“

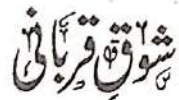
”میں اس بچہ کو دے گا اب کیا فائدہ..... وقت تو گزر گیا۔ تمہیں یاد ہے میں کہتی تھی اسے خطر کے بارے میں جب علم ہوگا تو بھاگ چلا آئے گا..... مگر تم کسی فلمی ہیروئن کی طرح اپنی محبت آزمایا رہی تھیں۔“ صدق نے سخت سے لہجے میں کہا۔

”صدف..... مجھے ارزش کی خاموشی سے خوف آ رہا ہے..... اس سے تو اچھا ارزش واپس ہی نہیں آتا..... اس قرابت میں جو قاصد سے وہ زیادہ خوفناک ہے.....“

نمین کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

عزیز قارئین..... ہماری پیاری مصنفہ و اشواق نسیم کی طبیعت بچھلے دلوں کا تار تار ہی لیکن پھر بھی اپنی  
دوست داری محسوس کرتے ہوئے انہوں نے آپ کو مایوس نہیں کیا اور ناول کی قسط کھڈالی۔ اگرچہ یہ قسط بچھلی  
قسط سے کچھ مختصر ہے مگر نہ ہونے سے تو بہتر ہے تاں..... ان شاء اللہ اس خوب صورت ناول کی اگلی جھر پور قسط  
آپ اگست کے شمارے میں بخیر کیس گے۔

ماہنامہ پاکیزہ گولڈن جوبلی نمبر ﴿ 116 ﴾ جولائی 2022ء



شہلا الیاس

ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہونے والا تھا۔ شہر میں مویشی منڈیاں سج گئی تھیں ہر طرف جانوروں کی چہل پہل دکھائی دیتی تھی۔ سیکینہ نے پورے پیسے گن کر الماری میں رکھے، اتنے میں سیکینہ کا شوہر کریم گھر میں داخل ہوا۔ اور جار بانی رہنڈہ کرچے پر آ پائینہ صاف کرنے لگا۔ سیکینہ بھاگ کر اس کے لیے پانی لائی۔

”اُف کتنی گرمی ہے باہر.....“ کریم نے پانی پیتے ہوئے کہا۔

”ہاں گرمی تو واقعی بہت ہے۔“ سیکینہ نے ٹکاس خالی ہونے پر واپس رکھتے ہوئے کہا اور اس کے پاس

ماہنامہ پاکیزہ گولڈن جوبلی نمبر ﴿ 117 ﴾ جولائی 2022ء